استدلال لینا دو وجہ سے درست نہیں:

۱۔ حدیث شفعہ کے بارے میں صریح اور واضح نہیں لہذا احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ ہمسایہ بھلائی اعانت و مدد خیر خواہی اور ایثار و ترجیح کا زیادہ حقدار ہو۔

۲۔ جار کا اطلاق جس طرح ایسے پڑوسی اور قریبی پر ہوتا ہے جو شریک نہ ہو اسی طرح اس کا اطلاق شریک پڑوسی پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث جابر میں ہے (**الجار أحق بشفعة جاره ينتظر به وان كان غائبا اذا كان طريقهما واحدا**) **(ترمذی،الأحکام)** ''یہاں جار سے مراد وہ پڑوسی ہیں جو شریک ہوں نیز ابو رافع نے جس پڑوسی کے لیے اپنا گھر پیش کیا وہ من قبیل الشفعة نہیں بلکہ ان کی طرف سے ایثار و قربانی ہے اگر بالفرض یہ من قبیل حق الشفعة ہو تو ابو رافع نے لفظ جار سے صرف پڑوسی سمجھا ہے تو نبی ﷺ کے صریح قول **فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق** کے مخالف ہے لہذا صحابی کا یہ عمل حجت نہیں ہے۔

۳۔ حدیث (**جار الدار أحق بالدار**) **(النسائی)** ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکان کا ہمسایہ اس مکان کا زیادہ حق رکھتا ہے''۔ لیکن اس حدیث سے استدلال لینا درست نہیں چونکہ یہاں جار الدار سے شریک ہمسایہ ہی مراد ہے کیونکہ دونوں احادیث میں تطبیق کی یہی صورت ہے۔ نیز اس حدیث میں ایک علت بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے ایک روایت کے طریق سے حسن عن سمرہ ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک حسن نے سمرہ سے صرف عقیقہ والی حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث نہیں سنی ہے لہذا یہ سند منقطع ہے اور دوسرا طریق قتادہ عن انس ہے اور قتادہ مشہور و معروف مدلس راوی ہے اس نے یہاں لفظ عن استعمال کیا ہے۔ اگرچہ ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (**نیل الأوطار ۵/ ۲۷۳؛ سبل السلام ۳/ ۸۰، فتح الباری ٤/ ٤٣٧-٤٣٨**)

راجح مسلک یہ ہے کہ ہمسایہ کے لیے اگرچہ شریک کی طرح حق شفعہ نہیں ہے لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ پڑوسی کے بالعموم حقوق بہت زیادہ ہیں لہذا ان چیزوں میں بھی ان کا خیال رکھا جائے اور اپنی جائیداد فروخت کرتے وقت پہلے ان سے پوچھا جائے البتہ قیمت میں فرق نہ ہو اگر نقصان ہو تو دوسرے سے فروخت کریں۔

عقیدہ توحید قسط: 17

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقی

بزرگوں کا ''عرس'' منانا:

دین اسلام کے جاں نثار اور مخلص خدمت گار بزرگوں سے حسن عقیدت اور محبت ومودت کو ''الحب فی اللّٰہ'' کے مبارک نام سے بہترین اعمال میں شامل کیا گیا ہے۔ [دیکھیے: ابو داؤد، السنة باب ۳ مجانبة اهل الاهواء عن ابی ذرؓ۔ ضعفه الالبانیؒ ومتنه مؤید بالشواهد] یہ وہ بزرگان ہیں جو توحید الٰہی اور سنت نبویہ کی اتباع کا فضل وشرف حاصل کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے اور انہوں نے کسی نہ کسی میدان میں دین حق کے لیے گوناگوں خدمات پیش فرمائیں۔ رحمة الله علیهم اجمعین

ان کے نقش قدم پر گامزن ہونا اور ان کی صحیح معنوں میں پیروی کرنا باعث سعادت ہے۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے لیے رفع درجات اور مغفرت ورحمت کی دعائیں کرنا اور ثابت شدہ شرعی طرز پر ایصال ثواب کرنا بھی ایک پسندیدہ عمل ہے۔

کسی بزرگ کی قبر نزدیک ہو تو وہاں کھڑے ہو کر اہل قبور کو سلام کرنا اور ان کے حق میں دعائیں کرنا درست اور محبوب طریقہ ہے۔ ''مر رسول الله ﷺ بقبور المدينة فاقبل عليهم بوجهه فقال: السَّلامُ عليكُمْ يا اهْلَ الْقُبُوْرِ يغْفِرُ اللّٰهُ لنا ولكُمْ، انْتُمْ سلفُنا ونحن بالاثر'' [الترمذی، الجنائز، باب مايقول الرجل اذا دخل المقابر عن ابن عباسؓ. وقال: حديث حسن غريب] ''مدینے کی قبروں سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف رخ کرکے یہ دعا فرمائی: (ترجمہ) اے قبر والو! تمہیں سلامتی نصیب ہو، اللہ پاک ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہمارے پیش رو ہو، اور ہم بھی اسی راہ آخرت کے راہی ہیں۔''

البتہ مسافت سفر طے کرکے زیارت قبور کے لیے جانے میں اہل سنت کے ہاں اختلاف ہے۔ منع کرنے والے اہل علم اس حدیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں: ''لا تُشدُّ الرِّحالُ الا الى ثلاثة مساجد: مسجدی هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصى'' [مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم، باب لا تشد الرحال الا...... عن ابی هريرةؓ] ''(زیارت کے لیے) رخت سفر باندھا ہی نہ جائے گا سوائے تین مقدس مسجدوں کی جانب: (1) میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی)، (2) مسجد الحرام، (3) مسجد اقصیٰ۔''

شاہ ولی اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''کسی ولی کی عبادت کا محل، اجمیر میں خواجہ چشتی کی قبر یا سالار مسعود غازی کی قبر یا ان کی مانند کسی اور قبر پر انسان اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا جو کہ قتل اور زنا سے بھی

بدتر ہے۔(تفهيمات الٰهية)

قبروں کی زیارت کے لیے دن مقرر کرنا اور معین تاریخ کو اجتماع کرنا ہرگز شریعت میں ثابت نہیں۔خصوصاً سال کے بعد جو دن مقرر کیا جاتا ہے جس کو''عرس'' کہتے ہیں، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''لا تجعلوا بيوتكم قبوراً ولا تجعلوا قبري عيداً وصلّوا عليّ فانّ صلاتكم تبلغني حيث كنتم''[ابوداؤد،کتاب المناسك،باب زيارة القبور، مسند احمد عن ابی هريرة]

''عید'' کا لفظ عَادَ يَعُودُ عَوْدًا (لوٹنا) سے بنا ہے۔جس کے لغوی معنی ہیں: بار بار (معین تاریخ کو)لوٹ کر آنے کا دن۔اللہ پاک نے ملت اسلامیہ کے لیے سال ہجری میں خوشی کی دو عیدیں مقرر فرمائی ہیں اور غمی کا کوئی دن نہیں رکھا ہے۔تکمیل دین کے بعد کسی دن کو''عید'' بنانا بدعت اور حرام ہے،خواہ اسے خوشی کا دن بنایا جائے یا غمی کا۔جب آپ ﷺ کی قبر مبارک پر عید (عرس یا میلہ) کرنا حرام ہے،تو کسی اور کی قبر پر کہاں سے جواز ڈھونڈا جائے گا؟!

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:''میں کہتا ہوں: آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ''میری قبر کی زیارت کو''**عید**''نہ بناؤ''اس میں اشارہ ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کردیا جائے،کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی قبروں کو حج کی طرح عید اور اجتماع کا موسم بنا دیا تھا۔[حجة الله البالغة] یعنی جیسے حج بیت اللہ کے لیے ایام کی تخصیص کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔اسی طرح اہل کتاب نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ کیا اور نام نہاد مسلمانوں نے انبیاء کرام کے علاوہ ائمہ عظامؒ اور اولیاء کرامؒ کی قبروں کے ساتھ بھی وہ کچھ کیا ہے،جس سے یہود و نصاریٰ بھی شرما جائیں۔ نیز فرمایا: بری بدعتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قبروں کے بارے میں بہت کچھ اختراع کیا ہے اور قبروں کو میلہ گاہ بنایا ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب حنفیؒ لکھتے ہیں:''(ترجمہ) جاہل لوگ حضرات اولیاء و شہداء کی قبروں کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں وہ سب کے سب ناجائز ہیں۔یعنی ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا،سجدہ کرنا،ان کے گرد طواف کرنا،ان پر چراغاں کرنا اور ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا،جس کو''عرس'' کا نام دیا جاتا ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب نے لکھا ہے کہ''عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی،کلمہ طیبہ،درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں،اس سے بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔''

یہ بات شرعی نصوص سے متصادم اور سیرتِ اسلافؒ کے مخالف ہونے کی وجہ سے سرے سے قابل التفات نہیں۔

الشیخ علی المتقی الحنفیؒ فرماتے ہیں: (الاجتماعُ لقراءةِ القرآنِ على الميتِ بالتخصيصِ في المقبرةِ او في المسجدِ أو البيتِ بدعةٌ مذمومةٌ) [رساله ردّ بدعات]

قبور بزرگان کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا اہل سنت میں مختلف فیہ ہے۔ اس مسئلے میں نزاع نہیں کرنا چاہیے۔☆ ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا بالکل حرام ہے۔

[illegible] کے پیران پیر شاہ [illegible] (متوفی [illegible]ھ) نے فاتحہ برسی بالکل نہ کرنے کی وصیت کی ہے۔[انوار العارفین]

[illegible] منع کرنے والوں کی دلیل مصنف نے بیان کی ہے، وہ ایک دلیل سنداً صحیح، لفظاً صریح اور دلالۃً واضح ہے۔ دیکھیے ''لا تشد[illegible]'' نفی ہے ''الا الی ثلاثة مساجد'' استثناء۔ عربی قواعد کی رو سے نفی کے بعد استثناء ''حصر'' پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث پاک کے معنی یہ ہیں کہ: **''زیارت کے لیے سفر کرنا صرف ان تین مساجد کی جانب درست ہے، باقی کسی بھی جگہ جائز نہیں۔''**

واضح مسائل میں اگر اہل سنت میں سے کسی نے اختلاف کیا ہو تو یہ اس کی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے۔ بہرحال ایک مسلمان کی حیثیت سے ہر مسئلے میں حق کی تلاش ہمارا شعار ہونا چاہیے۔

مصنف نے جائز ماننے والوں کی دلیل کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی صحیح شرعی دلیل نہیں ہے۔

قبروں کی زیارت کی نیت سے سفر کو جائز ماننے والے بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: ''زار النبی ﷺ قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم يؤذن لي واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي. فزوروا القبور فإنها تذكر الموت''[مسلم، الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه في زيارة قبر أمه، عن أبي هريرة] ''نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت فرمائی، پس آپ روئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کروں تو مجھے منع فرمایا، اور میں نے قبر کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت عطا فرمائی۔ پس تم لوگ بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، بیشک یہ قبریں موت کی یاد دلاتی ہیں۔''

شارح قاضیؒ نے کہا: آپ ﷺ کے رونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی پیاری ماں کو آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ نصیب نہ ہو سکا جس کے نتیجے میں ایمان لانے کے شرف سے ہم کنار نہ ہو سکیں۔

پس منظر: اس موقع پر آمنہ کے یتیم ﷺ کا بچپن بھی نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔ اس عفت مآب نوجوان بیوہ آمنہ بنت وھب کے دل میں اپنے اکلوتے یتیم کی محبت اس قدر گھر کر گئی کہ باقی ماندہ زندگی کبھی آپ کی خدمت اور کبھی اس سعادت کے انتظار میں گزار دی۔ پھر اسے اپنے ننھیال سے ملانے اور نادیدہ والد محترم کے قبر کی زیارت کے لیے لے گئیں، واپسی پر دوران سفر خود عازم سفر آخرت ہوئیں۔ جنازے کی تدفین آپ کے دادا محترم نے کرادی۔ ننھے محمد ﷺ پر حالت سفر میں اچانک ایک بڑی مصیبت پڑی،